4824CH10

10 آزادی کے بعد ہندوستان

ایک نیا اور تقسیم شدہ ملک

اگست 1947 میں جب ہندوستان آزاد ہوا تو اسے کئی بہت بڑے چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑا۔ تقسیم کے نتیجے میں 80 لاکھ پناہ گزیں اُس علاقے سے جو آج پاکستان میں ہے ملک میں آ گئے۔ ان لوگوں کو گھر اور کام دونوں کی ضرورت تھی۔ دوسرا مسئلہ شاہی یا نوابی ریاستوں کا تھا۔ ایسی تقریباً 500 ریاستیں تھیں۔ ہر ایک پر کسی مہاراجہ یا نواب کی حکومت تھی۔ ان میں سے ہر ایک ریاست کو اس بات کی ترغیب دینی تھی کہ وہ نئے ملک کا حصہ بن جائے۔ پناہ گزینوں اور نوابی حکومتوں دونوں کے مسئلے کو فوری طور پر حل کرنا ضروری تھا۔ اب نئی قوم کو بڑے پیمانے پر ایک ایسا سیاسی نظام اختیار کرنا تھا جس میں تمام آبادی کی امیدیں اور توقعات بہتر طریقے پر پوری ہو سکیں۔
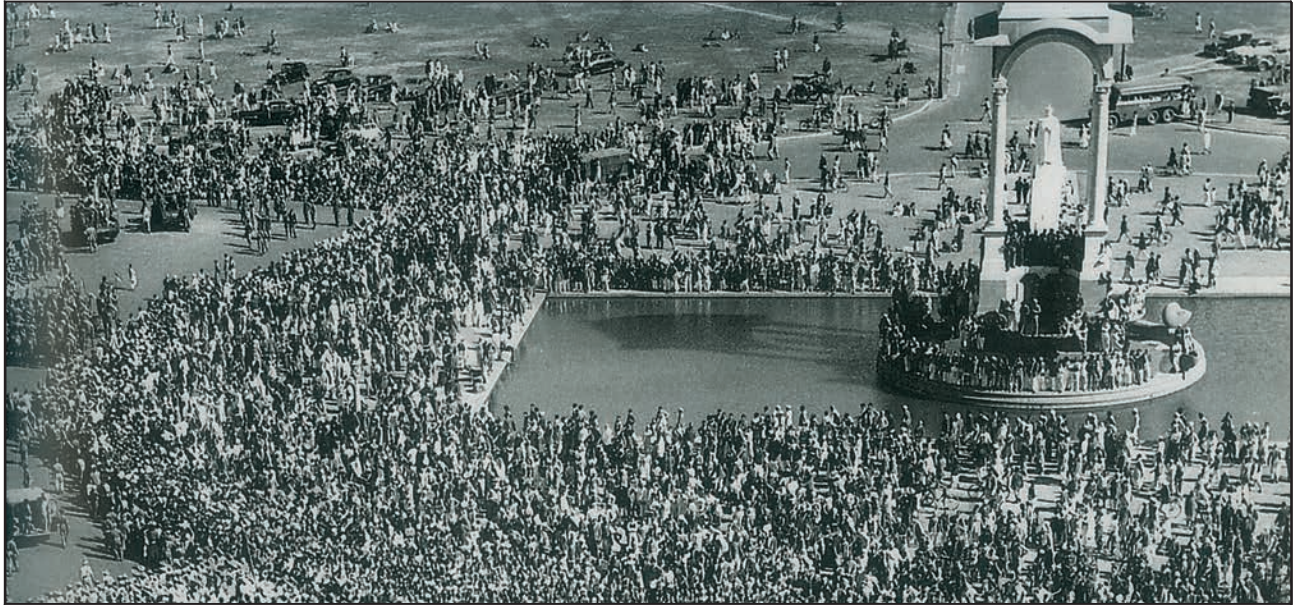
شکل 1 – مہاتما گاندھی کی راکھ(استھیاں) الہ آباد میں سپرد آب کی جارہی ہے، فروری *1948*

آزادی کو ابھی چھ ماہ بھی نہیں گزرے تھے کہ پوری قوم سوگ میں ڈوب گئی۔ 30 جنوری 1948 کو مہاتما گاندھی کو ایک بنیاد پرست جنونی ناتھورام گوڈسے نے اس لیے قتل کر دیا کہ وہ گاندھی جی کی اس بات سے متفق نہ تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو ساتھ ساتھ اتحاد اور یگانگت سے رہنا چاہیے۔ اس شام کو سوگوار قوم نے جواہر لعل نہرو کا یہ رقت انگیز بیان آل انڈیا ریڈیو پر سنا ''دوستو اور ساتھیو! روشنی ہماری زندگی سے باہر نکل گئی اور اب ہر جگہ اندھیرا ہے .... ہمارے پیارے رہنما .... بابائے قوم اب ہمارے درمیان نہیں رہے۔''

سرگرمی

تصور کیجیے کہ آپ ایک برطانوی حاکم ہیں اور 1947 میں ہندوستان چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ آپ اپنے گھر ایک خط لکھتے ہیں اور اس میں یہ بتاتے ہیں کہ برطانوی لوگوں کے بغیر اب ہندوستان میں کیا پیش آسکتا ہے۔ ہندوستان کے مستقبل کے بارے میں آپ کے خیالات کیا ہوں گے؟

1947 میں ہندوستان کی آبادی بہت زیادہ تھی۔ تقریباً 34 کروڑ 50 لاکھ۔ یہ آبادی بھی بٹی ہوئی تھی۔ اعلیٰ ذاتوں اور نچلی ذاتوں کے درمیان تقسیم تھی، ہندو اکثریتی فرقوں اور ان ہندوستانیوں کے درمیان تقسیم تھی جو دیگر مذاہب کو مانتے تھے۔ اس وسیع سرزمین کے شہری بہت سی مختلف زبانیں بولتے تھے، مختلف قسم کے لباس پہنتے تھے، مختلف قسم کے کھانے کھاتے تھے اور مختلف قسم کے ان کے پیشے تھے۔ یہ سب ایک قومی ریاست میں کس طرح ایک ساتھ رہ سکتے تھے؟

اتحاد کے ساتھ ساتھ ترقی کا مسئلہ بھی تھا۔ آزادی کے وقت ہندوستان کی بہت بڑی آبادی گاؤں میں رہتی تھی۔ کاشت کار اور کسان اپنی بقا کے لیے بارش پر منحصر رہتے تھے۔ نتیجتاً یہی معاملہ دیہی معیشت کے غیر رسمی سیکٹر کا تھا کیوں کہ اگر فصلیں خراب ہو جاتیں تو حجام، بڑھئی، بنکر اور دیگر خدمات انجام دینے والوں کو ان کی خدمات کا معاوضہ نہیں ملتا تھا۔ شہروں میں فیکٹری مزدور گندی گھنی بستیوں میں رہتے تھے جہاں نہ تعلیم کی سہولت تھی اور نہ صحت کی۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ زراعتی پیداواریت بڑھا کر اور صنعتوں میں نوکریوں اور کام کے مواقع فراہم کر کے اپنے عوام سے افلاس کو ختم کرنا نئے ملک کی ذمہ داری تھی۔

اتحاد اور ترقی ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ اگر ہندوستان کے مختلف فرقوں کے درمیان تفریق اور تقسیم کی کھائی کو نہ پاٹا جاتا تو نتیجے میں تشدد آمیز جھگڑے شروع ہوتے جو قوم کو بہت مہنگے پڑتے — اونچی ذات کے لوگ نچلی ذاتوں سے لڑتے اور ہندو مسلمانوں سے — اور اس طرح یہ سلسلہ دراز ہوتا جاتا۔ اسی کے ساتھ اگر اقتصادی ترقی کے فائدے عوام کو حاصل نہ ہوتے تو اس سے مزید تفریق و تقسیم پیدا ہوتی — مثال کے طور پر امیر اور غریب کے درمیان، شہروں اور گاؤوں کے درمیان، خوش حال اور پسماندہ علاقوں کے درمیان۔

آئین کی تشکیل

دسمبر 1946 اور نومبر 1949 کے درمیان لگ بھگ تین سو ہندوستانیوں نے ملک کے سیاسی مستقبل کے بارے میں بہت سی نشستیں کیں۔ اس آئین ساز اسمبلی کی نشستیں نئی دہلی میں ہوتی تھیں لیکن اس میں شرکت کرنے والے ملک بھر سے آتے اور ان کا تعلق ملک

کی مختلف سیاسی پارٹیوں سے ہوتا تھا۔ ان لوگوں نے غور و فکر کر کے ہندوستان کے آئین کو تشکیل دیا جسے 26 جنوری 1950 کو لاگو کر دیا گیا۔

شکل 2 – جواہر لعل نہرو اس قرار داد کو پیش کرتے ہوئے جس میں آئین کے مقاصد مذکور تھے

اس آئین کی اہم خصوصیت یہ تھی کہ اس میں ہر بالغ کے لیے **حق رائے دہی (Franchise)** کو تسلیم کیا گیا تھا۔ آئین کے مطابق 21 سال کی عمر کے تمام ہندوستانی لوگ ریاستی اور قومی انتخابات میں ووٹ دینے کے مجاز سمجھے گئے۔ امریکا اور برطانیہ جیسے ملکوں میں یہ حق مرحلہ وار تسلیم کیا گیا تھا۔ وہاں پہلے صرف صاحب جائداد لوگ ووٹ دیتے تھے پھر اس میں تعلیم یافتہ لوگوں کا بھی اضافہ ہو گیا۔ محنت کش لوگوں کو ووٹ دینے کا حق بڑی جدو جہد کے بعد ملا۔ سب سے آخر میں جب عورتوں نے سخت جدو جہد کی تو امریکا اور برطانیہ میں ان کو بھی ووٹ دینے کا حق حاصل ہوا۔ اس کے برخلاف آزادی ملنے کے فوراً بعد ہی ہندوستان نے جنس، طبقے یا تعلیم کی کسی تفریق کے بغیر اپنے تمام شہریوں کو ووٹ دینے کا حق دے دیا۔

حق رائے دہی۔ ووٹ دینے کا حق

آئین کی دوسری خصوصیت یہ تھی کہ اس نے اپنے تمام شہریوں کو قانون کی نظر میں مساوات کی ضمانت دی، چاہے ان کا تعلق کسی ذات یا کسی مذہب سے کیوں نہ ہو۔ کچھ

2019-20

ایسے بھی ہندوستانی تھے جو یہ چاہتے تھے کہ نئی قوم کا سیاسی نظام ہندو آدرشوں پر مبنی ہو اور ہندوستان ایک ہندو ریاست ہو۔ انھوں نے پاکستان کا حوالہ دیا جو اعلانیہ طور پر ایک مخصوص فرقے یعنی مسلمانوں کے مفادات کو فروغ دینے اور ان کا تحفظ کرنے کے لیے وجود میں آیا تھا۔ بہرحال، ہندوستانی وزیر اعظم جواہر لعل نہرو کی رائے یہ تھی کہ ہندوستان ایک ''ہندو پاکستان'' ہرگز نہیں ہونا چاہیے اور ایسا ہو بھی نہیں سکتا۔

مسلمانوں کے علاوہ ہندوستان میں سکھوں، عیسائیوں، پارسیوں اور جینیوں کی بھی بڑی آبادی تھی۔ اس نئے آئین کے تحت ان کو بھی وہی حقوق حاصل تھے جو ہندوؤں کو حاصل تھے، ان کو سرکاری اور پرائیویٹ سیکٹر میں نوکری یا کام کے وہی مواقع حاصل تھے جو ہندوؤں کو تھے اور قانون کی نظر میں سب کو یکساں حقوق حاصل تھے۔

اس دستور کی تیسری خصوصیت یہ تھی کہ اس نے غریب ترین اور محروم ترین ہندوستانیوں کو خصوصی مراعات عطا کیں۔ چھوا چھوت جو ''ہندوستان کے روشن نام'' پر ایک ''بدنما داغ'' تھی، کو ختم کر دیا گیا۔ پہلے مندروں میں صرف اعلیٰ ذاتوں کے لوگ جا سکتے تھے لیکن اب ان مندروں کے دروازے سب کے لیے کھول دیے گئے۔ اب ان میں سابق اچھوتوں کو بھی جانے کی اجازت ہوگئی۔ کافی طویل بحث و مباحثے کے بعد آئین ساز اسمبلی نے یہ بھی سفارش کی کہ قانون ساز مجلسوں کی کچھ سیٹیں اور ایسے ہی کچھ سرکاری نوکریاں ادنیٰ ذاتوں کے افراد کے لیے مخصوص کرا دی جائیں۔ کچھ لوگوں نے یہ کہا کہ اچھوت یا آج کی زبان میں ہریجن امیدوار باوقار انڈین ایڈمنسٹریٹو سروسز کے لیے ضروری مقام و مرتبے کے حامل نہیں ہیں۔ لیکن آئین ساز اسمبلی کے ایک ممبر ایچ۔ جے۔ کھانڈیکر (H.J. Khandekar) نے یہ جواب دیا کہ آج ہریجنوں کے ''ناموزوں'' ہونے کے ذمے دار اعلیٰ ذات والے لوگ ہی ہیں۔ کھانڈیکر نے اپنے صاحب مراعات ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہا تھا:

> ہزاروں سال سے ہم کو دبائے رکھا گیا ہے۔ آپ نے اپنی اغراض کو پورا کرنے کے لیے ہم کو کام میں مشغول رکھا اور اس حد تک دبائے رکھا کہ نہ ہمارے ذہن کام کے رہے، نہ ہمارے جسم کام کے رہے اور نہ ہمارے دل کام کے رہے اور نہ ہم آگے بڑھنے کے قابل رہے۔

ماخذ 1

یہ ضروری ہے کہ ہم ان کو تحفظ اور حقوق دیں

نہرو نے ریاستوں کے وزرائے اعلیٰ کے نام خط میں لکھا تھا:

> ......ہمارے ملک میں مسلمان اقلیت کی اتنی بڑی تعداد ہے کہ وہ اگر چاہیں بھی تو کہیں نہیں جا سکتے۔ یہ ایک ایسی بنیادی حقیقت ہے جس کے بارے میں کسی بحث کی گنجائش نہیں ہے۔ پاکستان کتنا ہی بھڑکائے اور وہاں کی غیر مسلم اقلیت کو کتنا بھی خوف زدہ کرے، ہمیں اس اقلیت کے ساتھ مہذب انداز میں ہی سلوک کرنا ہے۔ ہمیں ان کو تحفظ دینا ہے اور ان کو ایک جمہوری ریاست کے شہریوں جیسے حقوق دینے ہیں۔

سرگرمی

ایک مسلمان گھرانے کے باپ اور بیٹے کے درمیان ہونے والے مکالمے کا تصور کیجیے۔ تقسیم کے بعد بیٹا یہ سمجھتا ہے کہ پاکستان چلے جانا بہتر ہے جب کہ باپ کا یقین ہے کہ ان کو ہندوستان سے نہیں جانا چاہیے۔ اب تک جو باب آپ پڑھ چکے ہیں (اور باب 11) ان کی روشنی میں بتائیے کہ ہر ایک نے کیا کیا کہا ہوگا۔

سابقہ اچھوتوں کے ساتھ ساتھ آدی واسیوں یا درج فہرست قبائل (Scheduled Tribes) کے لیے بھی قانون ساز اداروں میں سیٹیں اور سرکاری نوکریاں مخصوص کردی گئیں۔ درج فہرست ذاتوں کی طرح یہ ہندوستانی بھی محروم رہے تھے اوران کے ساتھ بھی امتیازی سلوک ہوا تھا۔ ان قبائل کو تعلیم اور صحت کی سہولیات سے بھی محروم رکھا گیا تھا اوران کے جنگل اورزمینیں زیادہ طاقتور لوگ چھین لیتے تھے۔ ان حالات کو سدھارنے کے لیے دستور نے ان کو نئی مراعات عطا کیں۔

شکل 3 – ڈاکٹر بی۔ آر۔ امبیڈ کر

ڈاکٹر امبیڈکر (1891-1956) کو احتراماً بابا صاحب کہا جاتا ہے۔ ان کا تعلق مراٹھی بولنے والے ایک دلت خاندان سے تھا۔ وہ ایک وکیل اور ماہر معاشیات تھے۔ ان کو دلتوں کا محترم رہنما اور بابائے آئین ہند کہا جاتا ہے

آئین ساز اسمبلی نے مرکزی حکومت اور ریاستی حکومتوں کے اختیارات اور حقوق پر کئی دن بحث کی۔ کچھ ارکان کا خیال تھا کہ مرکز کے مفادات اولیت کے حامل ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ایک مضبوط مرکز ہی ''بحیثیت مجموعی پورے ملک کی فلاح و بہبود کے لیے سوچ بھی سکتا ہے اور پھر منصوبہ بندی بھی کرسکتا ہے۔'' دیگر ممبران کا خیال تھا کہ صوبوں کو زیادہ خودمختاری اور آزادی ملنی چاہیے۔ میسور کے ایک ممبر نے یہ اندیشہ ظاہر کیا کہ موجودہ نظام کے تحت ''جمہوریت دہلی میں ہی مرکوز ہوکر رہ جائے گی اور اپنے جذبہ اور روح کے ساتھ باقی ملک میں کام نہ کرسکے گی۔'' مدراس کے ایک ممبر نے یہ اصرار کیا کہ ''صوبوں کے لوگوں کی فلاح و بہبود کی ذمہ داری صوبائی حکومتوں کی ہی ہونی چاہیے۔''

آئین نے ان تمام دعووں کو متوازن کرنے کے لیے جملہ اختیارات کی تین فہرستیں تیار کیں: ایک مرکزی فہرست، جس میں ٹیکسوں، دفاع اور امور خارجہ سے متعلق معاملات تھے۔ یہ مکمل طور پر مرکز کی ذمہ داری تھی۔ دوسری ریاستی فہرست جس میں تعلیم اور صحت وغیرہ کے امور تھے یہ خاص طور پر ریاستی حکومتوں کی ذمہ داری تھی۔ ایک تیسری مشترکہ فہرست تھی جس کے تحت جنگلات اور زراعت جیسے معاملات آتے تھے اور جو ریاست اور مرکز کی مشترکہ ذمہ داری تھی۔

آئین ساز اسمبلی میں ایک اہم موضوع زبان کا تھا، بہت سے ارکان کی یہ رائے تھی کہ انگریزوں کے ساتھ انگریزی کو بھی ہندوستان چھوڑنا چاہیے۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ

ہندی انگریزی کی جگہ لے۔ بہرحال جو لوگ ہندی نہیں بولتے تھے ان کی رائے اس سے مختلف تھی۔ اس اسمبلی میں بولتے ہوئے ٹی۔ ٹی۔ کرشنما چاری نے ''جنوب کے لوگوں کی طرف سے ایک دھمکی'' کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا کہ کچھ لوگ یہ دھمکی دیتے ہیں کہ اگر ان پر ہندی مسلط کی گئی تو وہ ہندوستان سے الگ ہو جائیں گے۔ بہرحال اس مسئلہ پر ایک سمجھوتہ ہو گیا اور وہ یہ کہ ہندی ہندوستان کی ''سرکاری زبان'' ہوگی۔ عدالتوں میں، نوکریوں میں اور ریاستوں کے درمیان رسل و رسائل اور ابلاغ میں انگریزی استعمال ہوگی۔

اس آئین کی ترتیب و تشکیل میں بہت سے ہندوستانیوں نے تعاون دیا۔ لیکن سب سے اہم کردار ڈاکٹر بی۔ آر۔ امبیڈکر نے ادا کیا۔ ڈرافٹنگ کمیٹی کے چیرمین تھے اور انھیں کی زیرنگرانی اس آئین کی دستاویز تیار ہوئی۔ آئین ساز اسمبلی کے سامنے اپنی آخری تقریر میں ڈاکٹر امبیڈکر نے کہا تھا کہ سیاسی جمہوریت کے ساتھ ساتھ اقتصادی اور سماجی جمہوریت بھی ضروری ہے۔ صرف حق رائے دہی دے دینے سے امیر و غریب اور اعلیٰ و ادنیٰ کے درمیان جو نابرابری ہے وہ خود بخود ختم نہیں ہو جائے گی۔ انھوں نے کہا کہ اس نئے آئین سے ہندوستان——

> تضادات کی ایک نئی دنیا میں داخل ہو رہا ہے۔ سیاست میں تو ہم کو برابری حاصل ہے لیکن سماجی اور اقتصادی زندگی میں ہم عدم مساوات کا شکار ہیں۔ سیاست میں ہم نے ایک شخص، ایک ووٹ اور ایک قدر کے اصول کو تسلیم کر لیا ہے۔ لیکن اپنی سماجی اور اقتصادی زندگی میں ہم اپنے سماجی اور اقتصادی ڈھرّے کی وجہ سے ایک شخص اور ایک قدر کے اصول کو قبول نہیں کرتے۔

ریاستوں کی تشکیل کس طرح ہوئی؟

آزادی سے قبل 1920 کی دہائی میں آزادی کی جدوجہد کی سب سے اہم پارٹی انڈین نیشنل کانگریس نے —— یہ وعدہ کیا تھا کہ آزادی حاصل ہونے کے بعد ہر بڑے لسانی گروپ کو اس کا صوبہ ملے گا پھر آزادی ملنے کے بعد اس وعدے کو پورا کرنے کے لیے کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا۔ مہاتما گاندھی کی کوششوں اور ان کی خواہشات کے برخلاف ہندوستان مذہب کی بنیاد پر تقسیم ہو گیا اور آزادی ایک ملک کو نہیں دو ملکوں کو ملی۔ ہندوستان کی تقسیم کے

سرگرمی

انگلش کو ہندوستان کی ایک زبان کے طور پر باقی رکھنے کے فیصلے پر آج اس کے ایک ایک فائدے اور نقصان کو اپنی کلاس میں بتائیے۔

لسانی (Linguistic) – زبان سے متعلق

شکل 4 – گاندھی وادی رہنما پوٹّی سری راملو، جن کا تیلگو بولنے والے لوگوں کے واسطے ایک الگ ریاست بنانے کے لیے برت کے دوران انتقال ہوا

نتیجے میں ہندو اور مسلمانوں کے درمیان ہونے والے فسادات میں دس لاکھ سے زائد لوگ مارے گئے۔ کیا ملک زبان کی بنیاد پر مزید تقسیم کو برداشت کرسکتا تھا؟

وزیر اعظم نہرو اور نائب وزیر اعظم ولبھ بھائی پٹیل لسانی ریاستوں کو بنانے کے مخالف تھے۔ تقسیم کے بعد نہرو نے کہا تھا ''پھوٹ ڈالنے والی قوتیں آگے آگئی ہیں'، ان کو روکنے کے لیے پوری قوم کو مضبوط اور متحد ہونا ضروری ہے۔ پٹیل کا قول یہ تھا کہ:

> .... موجودہ وقت میں ہندوستان کی پہلی اور آخری ضرورت یہ ہے کہ وہ ایک قوم ہو .... ہر اس چیز کو فروغ دینے کی ضرورت ہے جس سے قوم پرستی کو بڑھاوا ملے اور ہر اس چیز کو مسترد کرنے کی ضرورت ہے جو قوم پرستی کی راہ میں رکاوٹ ہو۔ ہم نے لسانی صوبوں کے لیے بھی اسی اصول کو اپنایا ہے اور ہماری رائے میں اس معیار کے تحت لسانی صوبوں کی حمایت نہیں کی جاسکتی۔

چوں کہ کانگریسی رہنما اپنے وعدے سے ہٹ رہے تھے اس لیے ان کی اس بات سے بڑی ناامیدی پیدا ہوئی۔ کنڑ، مراٹھی اور ملیالم بولنے والوں کو امید تھی کہ ان کی اپنی الگ الگ ریاستیں ہوں گی۔ بہر حال مدراس پریزیڈینسی کے تیلگو بولنے والے اضلاع کی طرف سے سخت ترین احتجاج ہوا اور جب انتخابات کے دوران نہرو وہاں گئے تو ان کا کالی جھنڈیوں سے استقبال ہوا اور انھوں نے ''ہمیں آندھرا چاہیے'' کے نعرے سنے۔ اسی سال اکتوبر کے مہینے میں پرانے گاندھی وادی رہنما پوٹّی سری راملو نے بھوک ہڑتال کردی اور تیلگو بولنے والوں کے مفادات کے تحفظ کے لیے آندھرا ریاست بنانے کا مطالبہ کیا۔ یہ برت چلتا رہا اور اس کو لوگوں کی بڑی حمایت ملی۔ بہت سے شہروں میں بند اور ہڑتالیں کی گئیں۔

15 دسمبر 1952 کو برت کی حالت میں 58 دن گزرنے کے بعد پوٹّی سری راملو کا انتقال ہوگیا۔ ایک اخبار نے لکھا تھا ''سری راملو کے انتقال کی خبر سے تمام آندھرا میں ایک افراتفری پیدا ہوگئی'' یہ احتجاج اتنے شدید تھے اور اتنی دور تک پھیل گئے تھے کہ مرکزی حکومت کو اس مطالبے کے آگے جھکنا پڑا۔ اس طرح یکم اکتوبر 1953 کو آندھرا پردیش کی نئی ریاست وجود میں آگئی۔

آندھراپردیش بننے کے بعد دوسرے فرقوں نے بھی اپنے لیے الگ ریاستوں کا مطالبہ کیا۔ نتیجتاً ایک ریاستی تنظیم نو کمیشن (State Reorganisation Commission) بنادیا گیا جس نے 1956 میں اپنی رپورٹ سونپی اور اسامی، بنگالی، اُڑیہ، تمل، ملیالم، کنڑ اور تیلگو بولنے والوں کے واسطے مکمل صوبے تشکیل دینے کی غرض سے ضلعی اور صوبائی سرحدیں ازسرنو متعین کرنے کی سفارش کی۔ شمالی ہندوستان کا ہندی بولنے والا خطہ بھی کئی ریاستوں میں بٹ گیا۔ کچھ ہی دنوں بعد 1960 میں بمبئی کی ذولسانی ریاست مراٹھی اور گجراتی بولنے والوں کے لیے جداگانہ ریاستوں میں تقسیم ہوگئی۔ 1966 میں ریاستِ پنجاب، پنجاب اور ہریانہ دو ریاستوں میں تقسیم ہوگئی۔ پنجاب پنجابی بولنے والوں کے لیے (جس میں اکثریت سکھوں کی تھی) اور ہریانہ باقی لوگوں کے لیے (جو ہریانوی یا ہندی بولتے تھے)۔

لسانی ریاستوں کی تشکیل

شکل 5 (a)

14 اگست 1947 سے قبل ہندوستانی صوبے اور نوابی ریاستیں

نوابی ریاستیں

برطانوی ہندوستان
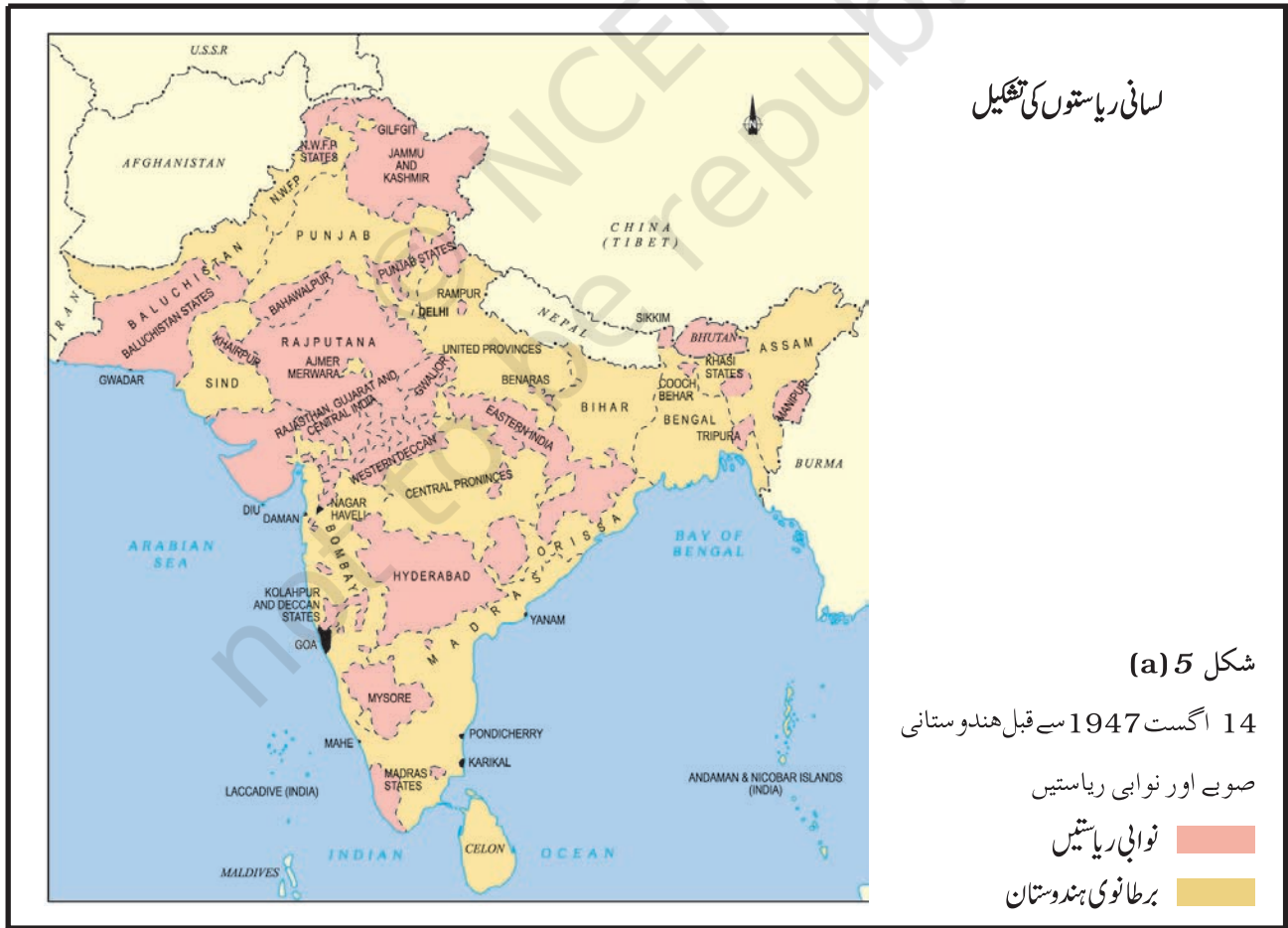
* ایسی ہر ایک ''نوابی ریاست'' کا اس وقت خاتمہ ہوگیا جب وہ ہندوستان یا پاکستان کے ساتھ الحاق پر راضی ہوگئی یا اس کو شکست ہوگئی۔ لیکن بہت سی ریاستیں 31 اکتوبر 1955 تک انتظامی اکائیوں کے طور پر کام کرتی رہیں۔ اس طرح سابقہ نوابی ریاستوں کی مدت 1948-1947 سے 31 اکتوبر 1955 تک رہی۔
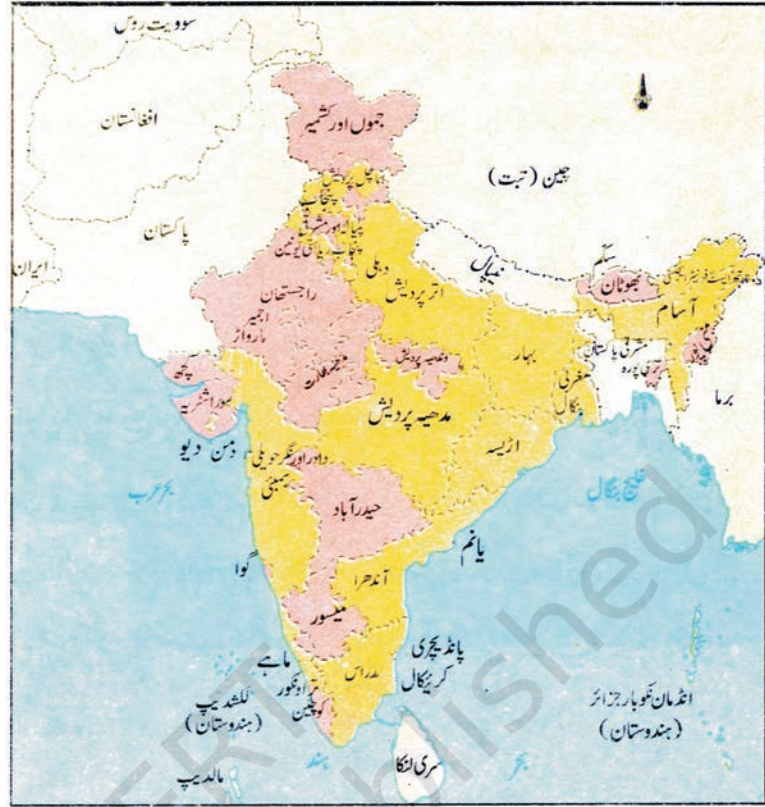
شکل 5(b) – 1 نومبر 1956 سے قبل ہندوستانی ریاستیں
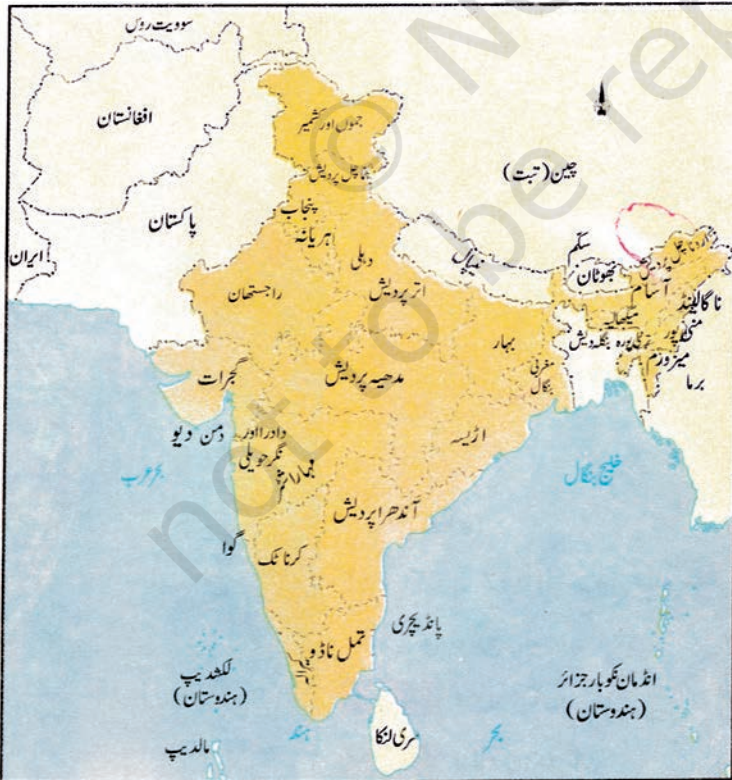
نقشہ 5(a)، 5(b) اور 5(c) کو دیکھیے۔ 5(b) میں نوابی ریاستیں غائب ہوگئیں۔ ان نئی ریاستوں کی نشاندہی کیجیے جو 1956 میں یا اس کے بعد بنیں اور ان ریاستوں کی زبان کی بھی نشاندہی کیجیے۔

شکل 5(c) – 1975 میں ہندوستانی
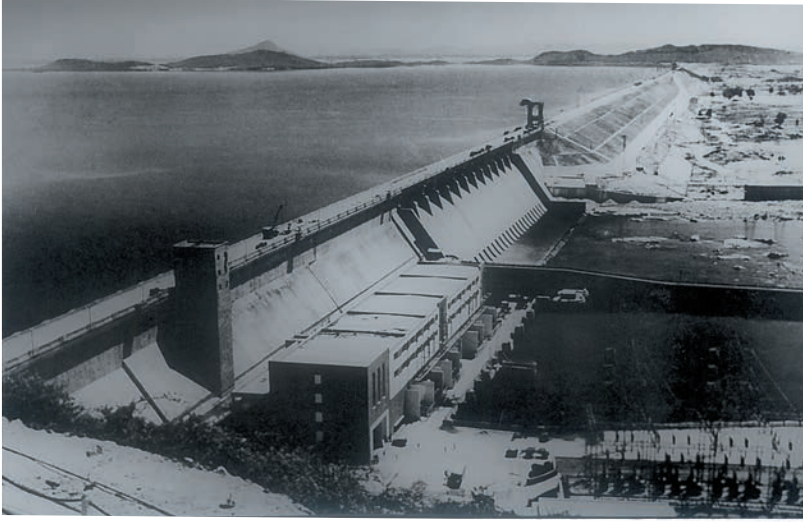
شکل 6 – پانی کا بہاؤ کنٹرول کرنے کے لیے مہاندی دریا پر پل
آزاد ہندوستان میں پل اور باندھ ترقی کی علامت بن گئے۔

ترقی کی منصوبہ بندی

ہندوستان اور ہندوستانیوں کو افلاس سے نجات دلانا اور ایک جدید تکنیکی اور صنعتی اساس کی تعمیر کرنا نئی قوم کے اہم مقاصد تھے۔ اقتصادی ترقی کے لیے منصوبے تیار کرنے اور مناسب پالیسیوں پر عمل کرنے کی غرض سے 1950 میں حکومت نے پلاننگ کمیشن کی تشکیل کی اور ایک ''مخلوط معیشت'' کے ماڈل پر اتفاق رائے ہوگیا۔ جس کے تحت **سرکاری** (State) اور پرائیوٹ سیکٹر دونوں کو ملازمتوں کے مواقع پیدا کرنے، اور پیداوار بڑھانے اور ایک دوسرے کے تعاون کا اہم کردار ادا کرنا تھا۔ یہ طے کرنا منصوبہ بندی کمیشن کا کام تھا کہ ان سیکٹروں کے الگ الگ اور خصوصی کردار کیا ہوں گے یعنی کون سی صنعتیں سرکاری سیکٹر قائم کرے گا اور کون سی صنعتیں بازار شروع کرے گا۔

اسٹیٹ (State) – یہ لفظ یہاں کسی ریاست یا صوبے کے لیے نہیں ہے بلکہ یہاں اس کا مفہوم حکومت یا سرکار ہے۔

1956 میں دوسرا پنج سالہ منصوبہ تیار کیا گیا۔ اس کا خاص زور اسٹیل جیسی بھاری صنعتوں کی ترقی اور بڑے بڑے باندھوں کی تعمیر پر تھا۔ یہ سیکٹر حکومت یا اسٹیٹ کے کنٹرول میں تھے۔ بھاری صنعتوں پر توجہ اور معیشت کی سرکاری ضابطہ بندی (State Regulation) کی کوششوں کا مقصد اگلی چند دہائیوں کے لیے اقتصادی پالیسیوں

شکل 7 – گاندھی ساگر باندھ پر کام جاری ہے
یہ ان چار میں سے پہلا باندھ ہے جو مدھیہ پردیش میں چمبل دریا پر بنائے گئے۔ یہ 1960 میں مکمل ہوا تھا۔

ماخذ 2
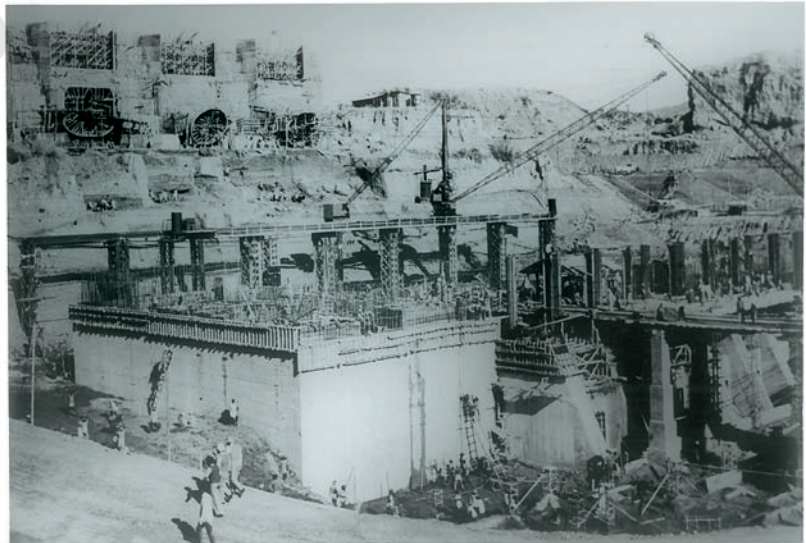
پنج سالہ منصوبوں پر نہرو کا نظریہ

سابق وزیر اعظم جواہر لعل نہرو اس منصوبہ بندی کے زبردست حامی تھے۔ انھوں نے مختلف ریاستوں کے وزرائے اعلیٰ کے نام اپنے کچھ خطوط میں منصوبہ بندی کے مقاصد اور اس کے آدرشوں پر روشنی ڈالی ہے۔ 22 دسمبر 1952 کے ایک خط میں انھوں نے لکھا تھا:

> ..... پہلے پنج سالہ منصوبے کے پیچھے ہندوستان کی وحدت اور ہندوستان کے تمام لوگوں کی متحدہ اور پُر زور کوشش کا تصور کارفرما تھا..... ہمیں یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی ہے کہ سب کام حکومت کی مشینری ہی نہیں کرے گی بلکہ حکومت سے کہیں زیادہ کام لوگوں کا جوش وخروش اور تعاون کرے گا۔ ہمارے لوگوں میں کسی بھی کام کے لیے ساجھے داری کا احساس ہونا ضروری ہے، یہ احساس کہ ہم سب اپنے آئندہ مقاصد کے حصول کے لیے اور ایک ہی منزل پر پہنچنے کے لیے ایک ساتھ سفر کر رہے ہیں۔ یہ منصوبہ ماہرینِ شماریات اور ماہرینِ معاشیات کے اعداد و شمار اور حسابات پر مبنی ہے اور ایسا ہونا بھی چاہیے لیکن اعداد و شمار بے انتہا اہم ہونے کے باوجود اسکیموں کو زندگی نہیں دے سکتے۔ نئی زندگی تو کچھ دوسرے ہی راستے سے آتی ہے۔ اب ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ بے جان کاغذ پر تحریر اس منصوبے پر ہم اس طرح عمل کریں کہ وہ زندہ اور متحرک ہو اٹھے اور جو لوگوں کے تخیل اور توجہ کو اپنی جانب کھینچ لے۔

شکل 8 – جواہر لال نہرو بھلائی اسٹیل پلانٹ میں

بھلائی اسٹیل پلانٹ 1959 میں سابق سوویت یونین کی مدد سے شروع ہوا تھا۔ یہ چھتیس گڑھ کے پچھڑے دیہی علاقے میں واقع ہے۔ اسے آزادی کے بعد جدید ہندوستان کی ترقی کی ایک اہم علامت مانا جاتا ہے۔

کی رہنمائی کرنا تھا۔ اس طریقۂ کار کی بہت سے لوگوں نے حمایت کی لیکن کچھ ایسے بھی لوگ تھے جنھوں نے اس پر سخت تنقید کی۔ کچھ لوگوں نے یہ محسوس کیا کہ زراعت پر ناکافی توجہ دی گئی ہے۔ کچھ ایسے بھی لوگ تھے جنھوں نے کہا کہ اس منصوبہ میں پرائمری ایجوکیشن کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ایسے بھی لوگ تھے جن کا خیال تھا کہ اقتصادی پالیسیوں کے ماحولیاتی مضمرات (Environmental Implications) پر دھیان نہیں دیا گیا ہے۔ ایک خاتون میرا بین نے جو مہاتما گاندھی کی پیرو تھیں، 1949 میں لکھا تھا: ''سائنس اور مشینری سے انسان وقتی طور پر بڑے بڑے فائدے حاصل کر سکتا ہے لیکن انجام کار اس سے تباہی ملے گی۔ ہمارے لیے فطرت کا مطالعہ ضروری ہے اور فطرت کے قوانین کی رعایت سے ہی ہمیں ترقی کرنی ہے۔ تبھی ہم ایک جسمانی طور پر تندرست اور اخلاقی طور پر صحت مند مخلوق کی حیثیت سے زندہ رہ سکتے ہیں۔''

سرگرمی

اپنی کلاس میں اس بات پر ایک مباحثہ کیجیے کہ کیا میرابین کا یہ خیال درست ہے کہ سائنس اور مشینری بنی نوع انسان کے لیے مسائل پیدا کرے گی۔ صنعتی آلودگی اور جنگلات کی کٹائی کے دنیا پر جو اثرات مرتب ہوئے ہیں آپ ان کا ذکر کر سکتے ہیں۔

ایک آزاد خارجہ پالیسی کی تلاش

شکل 9 – جواہر لعل نہرو اور کرشنا مینن اقوام متحدہ میں داخل ہوتے ہوئے

کرشنا مینن نے 1952-1962 کے درمیان اقوام متحدہ میں ہندوستانی وفد کی قیادت کی تھی اور ناوابستہ کی تحریک کی حمایت کی تھی۔

دوسری جنگ عظیم کی لائی ہوئی تباہی اور بربادی کے فوراً بعد ہی ہندوستان کو آزادی ملی۔ اسی زمانے میں 1945 میں جو ایک نئی بین الاقوامی تنظیم — اقوام متحدہ — بنی تھی اس کی ابھی بہت کم عمر تھی۔ 1950 اور 1960 کی دہائیوں میں سرد جنگ کا آغاز ہوگیا۔ اس سرد جنگ کا مطلب تھا امریکہ اور سوویت روس کے درمیان طاقت کی رقابت۔ نظریاتی جنگ کے نتیجے میں دونوں ہی ملک اپنے اپنے فوجی اتحاد بنا رہے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب نوآبادیاتی سلطنتیں ٹوٹ پھوٹ رہی تھیں اور بہت سے ممالک آزادی حاصل کر رہے تھے۔ وزیر اعظم جواہر لعل نہرو نئے آزاد ہندوستان کے وزیر خارجہ بھی تھے۔ انھوں نے اس سلسلے میں آزاد ہندوستان کی ایک خارجہ پالیسی ترتیب دی۔ اس خارجہ پالیسی کی بنیاد ناوابستگی تھی۔

شکل 10 – ایشیائی اور افریقی ملکوں کے رہنمائوں کی بانڈونگ (انڈونیشیا) میں ملاقات، *1955*

29 سے زیادہ نوآزاد ممالک نے اس مشہور کانفرنس میں شرکت کی اور اس بات پر غور وفکر کیا کہ کیا افریقی ایشیائی ملکوں کو نوآبادیات اور مغربی تسلط کی مخالفت جاری رکھنی چاہیے۔

ناوابستہ کی تحریک کے روحِ رواں مصر، یوگوسلاویہ، انڈونیشیا، گھانا اور ہندوستان کے رہنما تھے۔ انھوں نے مختلف ملکوں سے یہ درخواست کی کہ وہ دونوں میں سے کسی بھی اتحاد میں شریک نہ ہوں۔ لیکن ان اتحادوں سے دور رہنے کی پالیسی کا مطلب یہ نہیں تھا کہ بالکل الگ تھلگ اور بالکل غیر جانبدار رہا جائے۔ الگ تھلگ کا مطلب ہے دنیا میں ہونے والے تمام واقعات و معاملات سے الگ تھلگ، جب کہ ہندوستان جیسے ناوابستہ ملکوں نے امریکہ اور روسی اتحادوں کے درمیان ثالثی میں بہت سرگرم کردار نبھایا تھا۔ ان ناوابستہ ملکوں نے جنگ روکنے کی کوشش کی — اکثر جنگ کے خلاف ایک انسانی اور اخلاقی موقف اختیار کیا۔ بہر حال سب کچھ بھی رہا ہو، بہت سے ناوابستہ ملک خود ہندوستان بھی جنگ میں ملوث ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

1970 کی دہائی تک بہت سے ملک ناوابستہ ملکوں کی تحریک میں شامل ہو گئے تھے۔

ہندوستان، آزادی کے ساٹھ سال بعد

15 اگست 2007 کو ہندوستان نے اپنی آزادی کی ساٹھویں سالگرہ منائی۔ اس مدت میں ہمارے ملک نے کیا کیا ترقی کی اور آئین نے جو آدرش سامنے رکھے تھے وہ کہاں تک پورے ہوئے؟

ہندوستان آج بھی متحد اور جمہوری ہے۔ یہ ہمارے لیے کامیابی بھی ہے اور ہمارے لیے باعث فخر بھی۔ بہت سے غیر ملکی مبصرین کا یہ خیال تھا کہ ہندوستان ایک تنہا ملک کی حیثیت سے باقی نہیں رہے گا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے کیوں کہ اس کا ہر خطہ اور ہر لسانی گروہ خود کو ایک الگ ملک بنانا چاہے گا۔ کچھ لوگوں کا یہ بھی خیال تھا کہ ہندوستان فوجی حکومت کے زیر اثر آ جائے گا۔ بہر حال آزادی کے بعد سے اب تک (2007 تک) 13 عام انتخابات ہو چکے ہیں۔ ریاستوں اور مقامی اداروں کے سیکڑوں انتخابات اس کے علاوہ ہیں۔ ملک کا پریس آزاد اور ملک کی عدلیہ بھی آزاد ہے۔ آخری بات یہ ہے کہ لوگ مختلف زبانیں بولتے ہیں اور مختلف مذہبوں کو مانتے ہیں لیکن یہ سب چیزیں قومی اتحاد کے راستے میں رکاوٹ نہیں ہیں۔

دوسری طرف گہری تفریقیں بھی موجود ہیں اور آئین کی ضمانت کے باوجود اچھوتوں یا آج کل کی زبان میں دلتوں کو تشدد اور بھید بھاؤ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ دیہی ہندوستان کے

اکثر حصوں میں ان لوگوں کو پانی کے ذرائع، مندر، پارک اور دیگر عوامی مقامات پر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ دستور کے عطا کردہ سیکولر آدرشوں کے باوجود بہت سی ریاستوں میں مختلف مذہبی گروہوں کے درمیان جھگڑے اور جھڑپیں ہوتی رہتی ہیں۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ امیر وغریب کے درمیان جو خلیج تھی وہ پچھلے سالوں میں بہت بڑھ گئی ہے۔ اقتصادی ترقی کا فائدہ ہندوستان کے کچھ حصوں اور کچھ لوگوں کو زیادہ پہنچا ہے۔ ان کے پاس رہنے کے لیے بڑے گھر ہیں اور یہ مہنگے ہوٹلوں میں کھانا کھاتے ہیں۔ ان کے بچے بہت مہنگے پرائیویٹ اسکولوں میں پڑھتے ہیں اور غیر ملکوں میں جاکر چھٹیاں مناتے ہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ بہت سے لوگ ہیں جو خط افلاس سے نیچے زندگی گذارتے ہیں، شہروں میں یہ گھنی اور گندی بستیوں میں رہتے ہیں یا پھر ایسے دور دراز گاؤں میں رہتے ہیں جن میں بہت کم پیداوار ہوتی ہے۔ یہ لوگ اپنے بچوں کو اسکول تک نہیں بھیج پاتے۔

شکل 11 – بمبئی میں دھاراوی دنیا کی سب سے بڑی جُھگی بستی ہے
پس منظر میں فلک بوس عمارتیں ملاحظہ ہوں۔

آئین کے مطابق قانون کی نظر میں سب برابر ہیں لیکن حقیقی زندگی میں ایسا نہیں ہے۔ اگر ان معیاروں سے فیصلہ کیا جائے جو آئین نے آزادی کے بعد طے کیے تھے تو ہندوستانی جمہوریہ کسی بہت بڑی کامیابی کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ لیکن اس تجربے کو ناکامی کا نام بھی نہیں دیا جا سکتا۔

دوسرے مقام پر

سری لنکا میں کیا ہوا

1956 میں جس سال لسانی بنیاد پر ہندوستانی ریاستوں کی از سر نو تشکیل ہوئی اسی سال سری لنکا (اس وقت کا سیلون) کی پارلیمنٹ نے ایک قانون کے ذریعے سنہالا کو ملک کی تنہا سرکاری زبان کے طور پر تسلیم کر لیا۔ اس طرح سنہالا عدالتوں میں، پبلک امتحانات میں، تمام سرکاری اسکولوں اور کالجوں میں ذریعہ تعلیم ہو گئی۔ ملک کی تمل زبان بولنے والوں نے جو اس جزیرے کے شمال میں رہتے تھے، اس قانون کی مخالفت کی۔ ایک تمل ممبر پارلیمنٹ نے کہا ''جب تم نے مجھ سے میری زبان چھین لی تو تم نے میری ہر چیز چھین لی''۔ ایک دوسرے ممبر پارلیمنٹ نے کہا ''تم ایک منقسم سیلون کی امید میں ہو۔ ڈرو نہیں، میں تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ تمھیں ایک تقسیم شدہ سیلون ضرور ملے گا''۔ ایک اپوزیشن کے ممبر نے جو خود بھی سنہالا بولتا تھا یہ پیشین گوئی کی تھی کہ اگر حکومت نے اپنا خیال نہیں بدلا اور قانون کو پاس کرانے کا اصرار کیا تو ایک چھوٹی سی ریاست سے دو چھوٹی خون آلود ریاستیں بھی ابھر سکتی ہیں''۔

شکل **12** – تمل جنگجو بندوق لے جاتے ہوئے یہ سری لنکا میں خانہ جنگی کی ایک علامت ھے

کئی دہائیوں سے سری لنکا خانہ جنگی سے دو چار ہے۔ اس خانہ جنگی کی جڑیں تمل بولنے والی اقلیت پر سنہالا زبان کو تھوپنے میں پوشیدہ ہیں۔ ایک اور جنوبی ایشیائی ملک پاکستان اس وقت دو حصوں میں تقسیم ہو گیا جب مشرق کے بنگالی بولنے والوں نے محسوس کیا کہ ان کی زبان کو کچلا جا رہا ہے۔ اس کے برعکس ہندوستان ایک متحدہ ملک کی حیثیت سے اپنا وجود برقرار رکھے ہوئے ہے کیوں کہ یہاں علاقائی زبانوں کو پھلنے پھولنے کی آزادی دی گئی ہے۔ جس طرح اردو کو مشرقی پاکستان میں یا سنہالا کو شمالی سری لنکا میں تھوپا گیا ہے ایسے ہی اگر ہندی کو جنوبی ہندوستان پر مسلط کر دیا جاتا تو ہندوستان میں بھی خانہ جنگی ہوتی اور ملک بکھر جاتا۔ جواہر لعل نہرو اور سردار پٹیل کے اندیشوں کے برخلاف، لسانی ریاستیں ہندوستان کے اتحاد کے لیے خطرہ نہیں ہیں بلکہ انھوں نے اس اتحاد کو مزید مستحکم کیا ہے۔ جب مختلف زبانوں کو اس خوف سے نجات مل گئی ہے کہ ان کو دبا دیا جائے گا تو مختلف لسانی گروہ مطمئن ہو کر وسیع تر ہندوستان میں یک جہتی کے ساتھ رہنے لگے ہیں۔

دوہرائیے

1۔ ان تین مشکلات کو بتائیے جن کا سامنا نو آزاد ہندوستان کو کرنا پڑا۔

2۔ منصوبہ بندی کمیشن کا کیا رول تھا؟

3۔ خالی جگہوں کو پُر کیجیے:

(a) ________ اور ________ موضوعات مرکزی حکومت کی فہرست میں شامل تھے۔

(b) ________ اور ________ موضوعات مشترکہ فہرست میں شامل تھے۔

(c) اقتصادی منصوبہ بندی جس کی رو سے سرکاری سیکٹر اور پرائیویٹ سیکٹر دونوں نے ترقی میں ایک کردار ادا کیا، اسے ________ ، ________ ماڈل کہا جاتا ہے۔

(d) ________ کی موت نے ایسے تشدد آمیز احتجاج بھڑکا دیے کہ حکومت کو آندھرا کی لسانی ریاست کے مطالبے کے آگے جھکنا پڑ گیا۔

تصور کیجیے

آپ ایک آدی واسی اور ایک ایسے شخص کے درمیان ہونے والی گفتگو کے شاہد ہیں جو سیٹوں اور نوکریوں میں ریزرویشن کے خلاف ہے۔ موافقت اور مخالفت میں جو دلائل دیے گئے ہوں گے وہ کیا ہو سکتے ہیں؟ ان کے درمیان ہونے والے مکالمے کو اداکاری کے ذریعے دکھائیے۔

4۔ درج ذیل بیانات صحیح ہیں یا غلط:

(a) آزادی کے وقت ہندوستانیوں کی اکثریت دیہات میں رہتی تھی۔

(b) آئین ساز اسمبلی کی تشکیل کانگریس پارٹی کے ممبران سے ہوئی تھی۔

(c) پہلے قومی انتخابات میں صرف مردوں کو ووٹ دینے کی اجازت تھی۔

(d) دوسرے پنج سالہ منصوبے کا مرکزی نقطہ بھاری صنعت کی ترقی تھا۔

گفتگو کیجیے

5۔ مندرجہ ذیل بیان سے ڈاکٹر امبیڈکر کا کیا مطلب تھا؟

''سیاست میں ہم برابر ہوں گے اور سماجی و اقتصادی زندگی میں ہم نابرابر ہوں گے؟''

6۔ آزادی کے بعد ملک کو لسانی خطوط پر تقسیم کے معاملے میں تذبذب کیوں تھا؟

7۔ کوئی ایک وجہ بتائیے کہ آزادی کے بعد انگریزی ہندوستان میں کیوں رائج رہی؟

8۔ آزادی کے بعد ابتدائی دہائیوں میں ہندوستان کی اقتصادی ترقی کا کیا تصور تھا؟

کر کے دیکھیے

9۔ میرا بین کون تھیں؟ ان کی حیات اور نظریات کے بارے میں مزید معلومات حاصل کیجیے۔

10۔ پاکستان میں لسانی تقسیم کے بارے میں مزید معلومات حاصل کیجیے اور بتائیے کہ بنگلہ دیش نامی نیا ملک کن حالات میں وجود میں آیا اور بنگلہ دیش نے پاکستان سے کس طرح آزادی حاصل کی؟

اشکال اور نقشوں کے لیے اظہار تشکر

ادارے

دی القاضی فاؤنڈیشن فار دی آرٹس (باب 5، شکل 11)

دی اوشن آرکائیو اینڈ لائبریری کلیکشن، ممبئی (باب 6، اشکال 1، 8)

نہرو میموریل میوزیم اینڈ لائبریری، نئی دہلی (باب 8، اشکال 4، 5، 7، 13؛ باب 10، اشکال 1، 2، 4، 6، 7، 9)

فوٹو ڈویژن، حکومت ہند، نئی دہلی (باب 7، شکل 20؛ باب 10، اشکال 3، 10)

رسائل

دی السٹریٹڈ لندن نیوز (باب 8، شکل 15)

کتب

امن ناتھ اور جے وٹھالنی، ہوریزنس: دی ٹاٹا انڈیا سینچری، *1904-2004* (باب 6، اشکال 10، 14، 15)

سی۔اے۔ بیلی (مرتب)، این السٹریٹڈ ہسٹری آف ماڈرن انڈیا *1600 - 1947*

(باب 6، شکل 11؛ باب 7، اشکال 2، 4، 6؛ باب 10، اشکال 6، 7، 17، 22؛ باب 9، اشکال 3، 4، 5، 10)

جان بریمن، لیبر بانڈیج اِن ویسٹرن انڈیا (باب 8، شکل 11)

جیوتندر جین اور آرتی اگروال، نیشنل ہینڈیکرافٹس اینڈ ہینڈ لوم میوزیم، نئی دہلی، ماپن (باب 6، اشکال 4، 5)

مالویکا کرلیکر، ری ویزننگ دی پاسٹ (باب 8، اشکال 6، 8؛ باب 7، شکل 11)

مرینا کارٹر، سرونٹس، سردارس اور سیٹلرس (باب 8، شکل 9)

پیٹر روہے، گاندھی (باب 9، اشکال 1، 6، 12، 13، 14، 16، 17، 18، 19، 21)

سوسان ایس۔ بین، یانکی انڈیا: امریکن کامرشیل اینڈ کلچرل اِنکاؤنٹرس ود انڈیا اِن دی ایج آف سیل، *1784-1860* (باب 8، اشکال 3، 7)

یو۔ بال، جنگل لائف اِن انڈیا (باب 6، شکل 12)

وریریا ایلون، دی ایگیریا (باب 6، شکل 13)

ٹیکسٹائلس فار ٹیمپل ٹریڈ اینڈ ڈاؤری، کلیکشن سنسکرتی میوزم آف ایوری ڈے آرٹ (باب 6، اشکال 2، 6)